نظم

ڈاکٹر طارق قمر

جون ایلیا سے آخری ملاقات

وہ ایک طرزِ سخن کی خوشبو
وہ ایک مہکا ہوا تکلّم /لبوں سے جیسے گلوں کی بارش
کہ جیسے خوشبو بکھر رہی ہو /کہ جیسے جھرنا سا گر رہا ہو
عجب بلاغت تھی گفتگو میں / رواں تھا دریا فصاحتوں کا
وہ ایک مکتب تھا آگہی کا / وہ علم و دانش کا میکدہ تھا
وہ اس کے الفاظ کی روانی / وہ شعلۂ لفظ اور معانی
وہ قلب اور ذہن کا تصادم جو گفتگو میں رواں دواں تھا
کہ جیسے گتھی سُلجھ رہی ہو کہ جیسے ریشم الجھ رہا ہو
وہ اس کا رک رک کے بات کرنا
کہیں لپکنا کہیں ٹھہرنا /ٹھہر کے پھر وہ کلام کرنا
بہت سے جذبوں کی پردہ داری
بہت سے جذبوں کو عام کرنا........ /جو میں نے پوچھا
گزشتہ شب کے مشاعرے میں بہت سے شیدائی منتظر تھے
مجھے بھی یہ ہی پتہ چلا تھا کہ آپ تشریف لا رہے ہیں /مگر ہوا کیا؟
ذرا توقف کے بعد بولے .....نہیں گیا میں، نہ جا سکا میں
سنو! ہوا کیا میں خود کو مائل ہی کر نہ پایا / یہ میری حالت مری طبیعت
پھر اس پہ میری یہ بدمزاجی و بدحواسی یہ وحشتِ دل
میاں حقیقت ہے یہ بھی سن لو کہ اب ہمارے مشاعرے بھی
نہیں ہیں ان وحشتوں کے حامل
جو میری تقدیر بن چکی ہیں، جو میری تصویر بن چکی ہیں
سراپا تقصیر بن چکی ہیں /پھر اک توقف.....
کہ جس توقف کی کیفیت پھر گراں ساعت گزر رہی تھی
اس ایک ساعت کا ہاتھ تھامے یہ اک وضاحت گزر رہی تھی
ادب فروشوں نے جاہلوں نے مشاعرے کو بھی اک تماشا بنا دیا ہے
غزل کی تقدیس لوٹ لی ہے ادب کو مجرا بنا دیا ہے
سخنوروں نے بھی جانے کیا کیا ہمارے حصّے میں رکھ دیا ہے
ستم تو یہ ہے کہ چیخ کو بھی سخن کے زمرے میں رکھ دیا ہے
سماعتوں میں خراشیں آنے لگی ہیں اب اور شگاف ذہنوں میں پڑ گئے ہیں
میاں ہمارے قدم تو کب کے زمیں میں خفّت سے گڑ گئے ہیں
خموشیوں کے دبیز پردے سے چند لمحوں کا پھر گزرنا
ہو جیسے خود کو اداسیوں کے سمندروں میں تلاش کرنا
وہ جیسے پھر سُرمئی افق پر ستارے الفاظ کے ابھرنا
یہ زندگی سے جو بے نیازی ہے کس لیے ہے؟
یہ روز و شب کی جو بدحواسی ہے کس لیے ہے؟
بس اتنا سمجھو کہ خود کو برباد کر چکا ہوں /سخن تو آباد خیر کیا ہو
مگر جہاں دل دھڑک رہے تھے وہ شہر آباد کر چکا ہوں / بچا ہی کیا ہے
تھا جس کے آنے کا خوف مجھ کو وہ ایک ساعت گزر چکی ہے
وہ ایک صفحہ کہ جس پہ لکھا تھا زندگی کو وہ کھو چکا ہے
کتابِ ہستی بکھر چکی ہے
پڑھا تھا میں نے بھی زندگی کو مگر تسلسل نہیں تھا اس میں
اِدھر اُدھر سے یہاں وہاں سے عجب کہانی گڑھی گئی تھی
سمجھ میں آئی نہ اس لیے بھی کہ درمیاں سے پڑھی گئی تھی
سمجھتا کیسے، نہ فلسفی میں نہ کوئی عالم
عقوبتوں کے سفر پہ نکلا میں اک ستارہ ہوں آگہی کا
اجل کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے اک استعارہ ہوں زندگی کا
عتاب نازل ہوا ہے جس پر میں وہ ہی معتوب آدمی ہوں
ستم گروں کو طلب ہے جس کی میں ہی وہ ہی مطلوب آدمی ہوں
کبھی محبت نے یہ کہا تھا میں ایک محبوب آدمی ہوں
مگر وہ ضربِ جفا پڑی ہے کہ ایک مضروب آدمی ہوں
میں ایک بیکل سا آدمی ہوں میں ایک بوجھل سا آدمی ہوں
سمجھ رہی ہے یہ دنیا مجھ کو میں ایک پاگل سا آدمی ہوں
اسی لیے تو یہ نیم وحشی خرد کے ماروں سے مختلف ہے
جو کہنا چاہا تھا کہہ نہ پایا/ کہا گیا جو اسے یہ دنیا سمجھ نہ پائی
نہ بات اب تک کہی گئی ہے نہ بات اب تک سنی گئی ہے
شراب و شعر و شعورِ شب کا جو اک تعلق ہے اس کے بارے میں رائے کیا ہے؟
سنا ہے ہم نے کہ آپ پر بھی بہت سے فتوے لگے ہیں لیکن؟؟؟
یہ مسئلہ بھی بڑا عجب ہے /میں ایک میکش ہوں یہ تو سچ ہے
مگر یہ میکش کبھی کسی کے لہو سے سیراب کب ہوا ہے
ہمیشہ آنسو پیے ہیں اس نے ہمیشہ اپنا لہو پیا ہے

یہ بحث چھوڑ و حرام کیا ہے حلال کیا ہے عذاب کیا ہے ثواب کیا ہے
شراب کیا ہے /...اذیتوں سے نجات ہے یہ، حیات ہے یہ
شراب وشب اور شاعری نے بڑا اسہارا دیا ہے مجھ کو
سنبھالے رکھا شراب نے اور رہی ہے محسن یہ رات میری
اسی نے مجھ کو دیے دلاسے سنی ہے اس نے ہی بات میری
ہمیشہ میرے ہی ساتھ جاگی ہمیشہ میرے ہی ساتھ سوئی
میں خوش ہوا تو یہ مسکرائی میں رو دیا تو یہ ساتھ روئی
یہ شعر گوئی ہے خود کلامی کا اک ذریعہ
اسی ذریعے اسی وسیلے سے میں نے خود سے وہ باتیں کی ہیں
جو دوسروں سے میں کر نہ پایا
حرام کیا ہے حلال کیا ہے یہ سب تماشے ہیں رہبروں کے
یہ سارے فتنے ہیں راہ رو کے
حرام کر دی تھی خودکشی بھی کہ اپنی مرضی سے مر نہ پائے
یہ میکشی بھی حرام ٹھہری / کہ ہم کو اپنا لہو بھی پینے کا حق نہیں ہے
کہ اپنی مرضی سے ہم کو جینے کا حق نہیں ہے
کسے بتائیں کسے سنائیں / ضمیر و ظرفِ بشر پہ موقوف ہیں مسائل
سمندروں میں انڈیلو جتنی شراب چاہے
نہ حرف پانی پہ آئے گا اور نہ اس کی تقدیس ختم ہوگی
تو میکشی کو حرام کہنے سے پہلے دیکھو
کہ پینے والے کا ظرف کیا ہے ہیں کس کے ہاتھوں میں جام و مینا
یہ نکتہ سنجی یہ نکتہ دانی جو مولوی کی سمجھ میں آتی تو بات بنتی
نہ دین و مذہب کو جس نے سمجھا نہ جس نے سمجھا ہے زندگی کو
وہ خاک سمجھے گا تشنگی کو / طہورا پینے کی بات کر کے حرام کہتا ہے میکشی کو
جو دین و مذہب کا ذکر آیا تو میں نے پوچھا کہ اس حوالے سے جون بھائی کی رائے کیا ہے؟
یہ خود پرستی، خدا پرستی کے درمیاں کا جو فاصلہ ہے، جو اک خلا ہے یہ کیا بلا ہے؟
یہ دین و مذہب فقط کتابیں، بجز کتابوں کے اور کیا ہے
کتابیں ایسی جنھیں سمجھنے کی کوششیں کم ہیں اور زیادہ پڑھا گیا ہے
کتابیں ایسی کہ عام انساں کو ان کے پڑھنے کا حق ہے لیکن
انہیں سمجھنے کا حق نہ ہرگز دیا گیا ہے
کہ ان کتابوں پہ دین و مذہب کے ٹھیکیداروں، اجارہ داروں کی دسترس ہے
اسی لیے تو یہ دین و مذہب فساد و فتنہ بنے ہوئے ہیں
یہ دیں یہ مذہب / جو علم و حکمت کے ساتھ ہو تو سکون ہوگا
جو دسترس میں ہو جاہلوں کی جنون ہوگا
یہ عشق کیا ہے یہ حسن کیا ہے یہ زندگی کا جواز کیا ہے
یہ تم ہو جی جی کے مر رہے ہو یہ میں ہوں مر مر کے جی رہا ہوں
یہ راز کیا ہے؟ / ہے کیا حقیقت مجاز کیا ہے؟
سوائے خوابوں کے کچھ نہیں ہے بجز سرابوں کے کچھ نہیں ہے
یہ اک سفر ہے تباہیوں کا اداسیوں کی یہ رہ گزر ہے
نہ اس کو دنیا کا علم کوئی نہ اس کو اپنی کوئی خبر ہے
کبھی کہیں پر نظر نہ آئے کبھی ہر اک شے میں جلوہ گر ہے
کبھی زیاں ہے کبھی ضرر ہے نہ خوف اس کو نہ کچھ خطر ہے
کبھی خدا ہے کبھی بشر ہے / ہوا حقیقت سے آشنا تو یہ سوئے دار و رسن گیا ہے
کبھی ہنسا ہے یہ زیرِ خنجر کبھی یہ سولی پہ ہنس دیا ہے
سناں پہ گفتار ہو گیا ہے کبھی یہ گلنار ہو گیا ہے
کبھی ہوا ہے یہ غرقِ دریا / کبھی یہ تقدیرِ دشت و صحرا
رقم ہوا ہے یہ آنسوؤں میں کبھی لہو نے ہے اس کو لکّھا
حکایتِ دل حکایتِ جاں حکایتِ زندگی یہی ہے
اگر سلیقے سے لکّھی جائے عبارتِ زندگی یہی ہے
یہ حسن ہے اس دھنک کی صورت
کہ جس کے رنگوں کا فلسفہ ہی کبھی کسی پر نہیں کھلا ہے
یہ فلسفہ جو فریبِ پیہم کا سلسلہ ہے / کہ اس کے رنگوں میں اک اشارہ ہے بے رخی کا
اک استعارہ ہے زندگی کا / کبھی علامت ہے شوخیوں کی کبھی کنایہ ہے سادگی کا
بدلتے موسم کی کیفیت کے ہیں رنگ پنہاں اسی دھنک میں
کشش شرارت و جاذبیت کے شوخ رنگوں نے اس دھنک کو عجیب پیکر عطا کیا ہے
اک ایسا منظر عطا کیا ہے / کہ جس کے سحر و اثر میں آ کر
لہو بہت آنکھیں رو چکی ہیں بہت تو بینائی کھو چکی ہیں
بصارتیں کیا بصیرتیں بھی تو عقل و دانائی کھو چکی ہیں
نہ جانے کتنے ہی رنگ مخفی ہیں اس دھنک میں
بس ایک رنگِ وفا نہیں ہے / اس ایک رنگت کی آرزو نے لہو رلایا ہے آدمی کو
یہی بتایا ہے آگہی کو / یہ اک چھلاوہ ہے زندگی کا، حسین دھوکا ہے زندگی کا
مگر مقدر ہے آدمی کا / فریبِ گندم سمجھ میں آیا تو میں نے جانا
یہ عشق کیا ہے یہ حسن کیا ہے
اک ایسی لغزش کہ جس کے دم سے حیاتِ نو کا بھرم کھلا ہے

12/1، مال ایونیو لکھنؤ۔1، موبائل: 9335915058